وزارتِ اسلامی امور واوقاف ودعوت وارشاد کی شائع کردہ

أدبُ الخِلاف

اُردو ترجمہ

سلیقۂ اختلاف

تالیف/

ڈاکٹر صالح بن عبداللہ بن حمید

امام وخطیب المسجد الحرام مکۃ المکرمہ ونائب

الرئیس العام برائے امور المسجد الحرام والمسجد النبوی الشریف

وعمید کلیۃ الشریعہ - جامعہ ام القریٰ سابقاً

وزارت کے شعبۂ مطبوعات ونشر کی زیر نگرانی طبع شدہ

۱۴۱۹ھ

ح وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد، ١٤١٩هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر.
ابن حميد، صالح بن عبد الله
أدب الخلاف.- الرياض.
٦٨ص، ١٢×١٧سم
ردمك ٨-١٩٢-٢٩-٩٩٦٠
(النص باللغة الأردية)
١-الاختلاف(أصول الفقه) ٢-أصول الفقه أ- العنوان.
ديوي ٢٥١,١٣١ ١٩/٠٦٥٧

رقم الإيداع: ١٩/٠٦٥٧
ردمك ٨-١٩٢-٢٩-٩٩٦٠

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

عرب یونیورسٹیوں میں علماء و مفکرین اور دانشوران ملک و ملت کو دعوت سخن دے کر قاعۃ المحاضرات (لکچر ہال) میں اساتذہ، طلبہ اور دیگر رہنمایان قوم و ملت کے روبرو لکچر دلانے کا جو دستور چل پڑا ہے، اس کے نتیجے میں بہت سے حساس و ضروری موضوعات پر ایسے لکچرز اور مقالے سامنے آئے ہیں جن کی روشنی میں تاریخ نے نیا رخ لیا، اور علم و عمل کی اصلاح ہوئی، دعوت و ارشاد کو ترقی ملی، فکر و نظر کو گہرائی و گیرائی حاصل ہوئی، اور دین و مذہب، سیاست و شریعت اور معاشرت و معیشت نے صحیح راستہ اپنایا۔

زیر نظر کتاب "ادب الخلاف" جسے اردو زبان میں "سلیقہ اختلاف" کے نام سے پیش کرنے کا "ھما فوٹو اسٹیٹ" کو شرف حاصل ہو رہا ہے، اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

جامعہ ام القری۔ مکۃ المکرمہ کی کلچرل کمیٹی کی دعوت پر عالم اسلام کے علمی و روحانی پیشوا عالیجناب ڈاکٹر صالح بن عبداللہ بن حمید حفظہ اللہ، امام و خطیب بیت اللہ الحرام، جنرل ڈپٹی پریذیڈنٹ برائے امور مسجد الحرام و مسجد نبوی شریف، اور سابق پرنسپل شریعت کالج مکہ یونیورسٹی نے ۲۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ کو جامعہ کے لکچرز ہال میں اہل علم اور طلبہ و اساتذہ کے سامنے اسے پیش کیا، اور اسے خاصی پذیرائی حاصل ہوئی۔ مؤلف کی نظر ثانی کے بعد مختلف مقامات سے اس کے متعدد عربی ایڈیشن شائع ہوئے۔ رابطہ عالم

اسلامی نے اپنے ہفتہ وار ترجمان "العالم الاسلامی" میں اسے قسط وار شائع کیا، اور مؤلف حفظہ اللہ کی خاص اجازت سے ہم نے اسے اردو کے قالب میں ڈھال کر "ھدیٰ" کے علمی و ثقافتی اور دعوتی سفر کی ایک منزل قرار دیا- خصوصاً ایسے وقت میں ہم نے اس کی اشاعت کی ضرورت محسوس کی جب کہ آفتاب علم و فکر کی چڑھتی ہوئی روشنی میں ہمارے دیار میں اختلاف و تنقید کا وہی پرانا طریقہ نہ صرف رائج بلکہ پروان چڑھتا جارہا ہے جو پچھلی دو تین صدیوں میں علمی کم مائیگی اور اخلاقی انحطاط کے دور میں رائج تھا-

"ادب الخلاف" بنام "سلیقہ اختلاف" وقت کی اہم ضرورت ہے- ہم اسے مؤلف کی نیک تمناؤں اور بیت اللہ الحرام کے سامنے آپ کی پاکیزہ دعاؤں کے ساتھ اسی اخلاص سے اپنے عوام و خواص کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں جو مؤلف کے پیش نظر تھا- ہم رب کریم کے حضور دست بہ دعا ہیں کہ اسے قبول فرمائے اور اس کی منفعت عام کرے- آمین-

وصلی اللہ علیٰ نبینا و مولانا محمد و الہٖ و صحبہ وسلم-
وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین-

ابوالقاسم عبدالعظیم
برائے: ھدیٰ للثقافۃ والاعلام
اورنگ آباد- مئوناتھ بھنجن ۲۷۵۱۰۱ (یوپی) انڈیا-
یکشنبہ ۲۲ شوال ۱۴۱۲ھ
۲۶ اپریل ۱۹۹۲ء

تمہید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً، أما بعد

آج کی مجلس کا عنوان جیسا کہ معلوم ہے "ادب الخلاف" یا "سلیقہ اختلاف" متعین ہوا ہے- لیکن پہلے میں یہ اعتراف کرتا چلوں کہ میں اس میدان کے ان شہ سواروں میں نہیں جنہیں اس جیسے اہم اجلاس میں شامل کر کے یہ سوچا جائے کہ میں ان کے اندازے پر پورا اتروں گا، لیکن چونکہ یہ عنوان وقت کی آواز اور ملت کے حالات کا تقاضا ہے اور چونکہ اس کے بہت سے اسباب و علل ہیں اس لئے اس پر روشنی ڈالنا بھی ضروری ہے - اور ہو سکتا ہے کہ میری طرف سے اس فن کے ماہرین و متخصصین کے سامنے کوئی ایسی اچھائی ابھر کر سامنے آ سکے جو انہیں اس کے بڑھاوا دینے اور امت کے حالات و ضروریات پر اور خصوصیت سے ملت کے علم دوست نوجوانوں کو توجہ دینے کی دعوت دے سکے-

بھائیو! اس عنوان کے انتخاب کی وجوہات اور اسباب کے بارے میں کہوں گا کہ بہت سے مسلم ممالک میں نوجوانوں کی آنکھیں ایسے ناخوشگوار واقعے پر کھلیں جن کا ذمہ دار وہ خود کو نہیں سمجھتے- اسلئے کہ ان ممالک میں استعمار گوناگوں خرابیاں پیدا کر گیا اور طرح طرح کے فکری و نفسیاتی آثار

غلیظہ چھوڑ گیا- اور اسلام میں پیوند کاری کیلئے ایسے دستور و قوانین اور تہذیب و تمدن کو در آمد کر گیا جو بربادی و بے راہ روی کے مظاہر، تربیت کے غیر منظم راستے، چال چلن میں کجروی، الحاد و لا دینیت اور کمیونزم و اباحیت کی کھلی دعوت، اور دہریت و نفاق کے مظاہر ہیں-

انہیں اسباب و علل کے باعث معتدل راہ اور درست مسلک کے لئے ضروری ہے کہ قائدین امت و رہنمایانِ ملت زندہ ثبوت و شہادت ہوں، جن کا قول عمل سے وابستہ ہو- احکام کے پابند اور سنن و احادیث کے پیرو ہوں-

نیز صحیح راہ یابی اور بالغ نظری وژرف نگاہی کے لئے یہ بھی واجب ہے کہ مبلغین اور علماء اہم اور افضل کی ترتیب کے لئے اولویات کے بارے میں اپنے اپنے طریقوں پر نظر ثانی کریں، کیونکہ سنت واجب کے ماسواء ہے، اور مکروہ حرام سے کمتر ہے-

لوگوں میں کچھ محدود فکر، تنگ ادراک اور نادان و کم علم لوگ بھی ہیں جن کے میزان عقل و خرد میں خلل کے باعث ان کے نزدیک اولویات مشتبہ ہو جاتی ہیں اور بسا اوقات ایسے لوگ کسی عالم یا کسی جماعت کی رائے کی حمایت میں بدترین جانبداری اور دشمنانہ تعصب تک اتر آتے ہیں-

اسی کے برخلاف ایسے اشخاص بھی پائے جاتے ہیں جو تنقید میں غلو

سے کام لیتے ہیں اور بحث و مناظرہ میں شیطنت پر اتر آتے ہیں، یہاں تک کہ وہ نصیحت و حسن ظن اور لوگوں کی قدر شناسی کے فرض کو سمجھے بغیر غیبت و تنقیص اور عیب جوئی میں پڑ جاتے ہیں۔

سچی اسلامی اخوت کے احیاء کے لئے پیہم کوشش کی سخت ضرورت ہے تاکہ امت کی سبھی جماعتیں اور طبقے اللہ کے دین کی اعانت و محبت، اور اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دوستی پر ہر چیز سے بلند ہو کر ایک ہو جائیں۔

بھائیو! اس بزم میں ہمارا خطاب صاحب علم و فکر علماء و طلباء سے یہ ہے کہ قضیئے اور مسائل بحث کی بساط پر رکھے جائیں اور ہر مجتہد کی رائے کا خواہ مخطی ہو یا مصیب احترام کیا جائے۔ کسی مجتہد پر بے وجہ اعتراض کرنا یا اس کی تنقیص کرنا علم کے باب میں ناپسندیدہ ہے۔

کسی مجتہد کی چوک اس کی آبروریزی کا جواز نہیں پیدا کرتی، نہ کسی بے عیب اور برے شخص کی عیب جوئی مناسب بات ہے اور نہ لوگوں کو متہم اور بدنام کرنے کی نفسیانیت پسندیدہ ہے۔

علماء و مبلغین کا فرض ہے کہ اپنی دعوت و تبلیغ کی قدر و قیمت کا اندازہ کریں کیونکہ حقانیت کسی ایک مسلک میں محدود نہیں ہے اور اختلاف رائے لڑائی اور غصے کا باعث نہیں ہونا چاہیئے۔ مجتہدین کی تو یہ شان ہی ہے کہ ان میں اختلاف ہو۔ ان کا یہ اختلاف تعصب اور

جانبداری کے بغیر بہرحال قابل قبول ہے اس پر نفاق و شقاق کی بنیاد نہیں ہونی چاہیئے، نہ اس کے سبب عداوت کی تخم ریزی ہونی چاہیئے- تنقید کا حق یہ ہے کہ ناقد حق کو اپنے اندر محدود نہ سمجھے-

یہ افسوس ناک بات ہے کہ نقطۂ نظر کا اختلاف شخصی عناد اور تباہ کن نفسانیت میں تبدیل ہو جائے اور رونا تو اس بات کا ہے کہ ایک چھوٹے سے مسئلے کا اختلاف اصول اسلام اور دینی قواعد میں الزام تراشی تک جا پہنچے-

بحث و مناظرے میں بے ادبی یہ ہے کہ مسلمانوں' خصوصیت سے علماء اور مبلغین' کی عزت و آبرو پر دست درازی کو جائز بنالیا جائے- پھر عیب جوئی اور نکتہ چینی کی روش کو اپنا کر معمولی سی درست خیالی کے سبب کثرت ظن کی پیروی کی جانے لگے-

بھائیو! اس خوشگوار ملاقات میں یہ سب باتیں کہنے کی وجہ یہ ہے کہ کچھ ایسے یگانہ لوگوں اور بزرگ علماء نے اس دین کی خدمت کی ہے جو علم کی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، انہوں نے راہِ خدا میں جہاد کیا اور اللہ کے دین کی خاطر انہوں نے مصیبتیں سہیں- وہ بڑے تابندہ ذہن اور پاک نفس لوگ تھے-ان کا اثر لوگوں میں ظاہر اور اقدام حق میں ان کا اخلاص نمایاں ہے- وہ ہر قسم کی ستائش کے مستحق ہیں-

لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ معصوم ہیں، اور ان کی شان میں غلو

سے کام لے کر انہیں لغزشوں سے بری قرار دیا جائے اور ان کے مخالفین سے عداوت رکھی جائے۔

ہمارے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ ہم ان پر جفا کریں اور ان کی آبرو ریزی کو جائز بنالیں اور ان کے اہم کارناموں کا انکار کر دیں اور ان کی مساعیِ جمیلہ کو معیوب قرار دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر عالم کی رائے اخذ و مواخذہ کے قابل ہے لیکن کسی مسلمان عالم پر جسے علم اور دعوت و تبلیغ میں دسترس حاصل ہو اور امت پر اس کا اچھا اثر ہو ایسے شخص پر تنقید کرنے، اور کسی جنایت کار ملحد، خود غرض کافر اور حاسد مستشرق کی تردید میں بہت فرق ہے۔

آج کی مجلس میں بات کا آغاز اسی انداز اور اسی نظریئے سے ہوگا۔ چنانچہ پہلے ہم اختلاف اور اس کی صورتوں اور لوگوں کی زندگی میں اس کے وقوع پذیر ہونے کا ذکر کریں گے، پھر صحابہ اور سلف کے ادب کے کچھ نمونوں کی طرف اشارہ کریں گے اور اس باب کے کچھ آداب و قواعد کا ذکر کریں گے۔

اختلاف کی تعریف:

اختلاف کی تعریف جیسا کہ علامہ جرجانی نے کی ہے یہ ہے:

"منازعة تجری من المتعارضین لتحقیق حق و إبطال باطل" [1]

"اختلاف وہ آویزش ہے جو دو فریق کے درمیان اثبات حق اور ابطال باطل کے لئے ہو-"

علم الاختلاف:

علم الاختلاف سے مراد ان مسائل کا علم ہے جن میں اجتہاد جاری ہوتا ہے، پیش آمدہ رائے میں درستگی یا غلطی یا انفرادیت سے قطع نظر-

بسااوقات علم الاختلاف ان مسائل کے ساتھ خاص ہوتا ہے جن میں بالفعل مجتہدین میں اختلاف ہوا ہو-

بعض علماء نے "خلاف عالی" کے نام سے جو اصطلاح بنائی ہے اور جس سے ان کا مقصد وہ اختلاف ہے جو مذہب حقہ سے خارج ہو اسی ضمن میں داخل ہے-

نیز جدید دراسات کے اصطلاح میں جسے "فقہ مقارن" یا "تقابلی فقہ" کا نام دیا جاتا ہے، وہ بھی اسی قبیل سے ہے-

---

[1] الجرجانی: التعریفات، حرف الخاء- اہل اصطلاح کے نزدیک یہ مروجہ تعریف جرجانی کے علاوہ کسی دوسرے کے یہاں مجھ کو نہیں ملی-(مؤلف)

رہا لفظ "خلاف" یا "اختلاف" تو ان دونوں کے درمیان کوئی قابل اعتماد فرق نہیں- علماء اپنی کتابوں میں دونوں کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں اگرچہ بعض علماء نے بہ تکلف دونوں میں فرق کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن حاصل کلام یہ ہے کہ معنی کو سمجھ لینے کے بعد اصطلاح میں اختلاف کی کوئی وجہ جواز نہیں-

وقوع اختلاف:

انسانی دنیا میں اختلاف کا پایا جانا ایک مسلمہ بات ہے- اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں ایک سنت ہے- چنانچہ لوگ اپنے رنگ و زبان، اور طبعیت و ادراکات، اور معارف و عقول، اور شکل و صورت میں باہم مختلف ہیں-

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ ٱلنَّاسَ أُمَّةً وَٰحِدَةً ۖ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴾

إلا من رحم ربك ولذلك خلقهم[1]

"اگر اللہ چاہتا تو لوگوں کو ایک امت بنا دیتا، اور لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے، مگر جس پر آپ کا رب رحم فرما دے- اور اسی کے لئے اس نے انہیں پیدا کیا-"

---

[1] سورہ ھود-۱۱۸

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد لوگوں کا دین واخلاق اور افعال میں اختلاف ہے۔

لیکن اس تباین اور قابلیت اختلاف کے باوجود اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم پر ہدایت کے چراغ روشن کر دیئے ہیں، اسی لئے اس نے دوسری آیت میں فرمادیا ہے:

﴿ فَهَدَى ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لِمَا ٱخْتَلَفُوا۟ فِيهِ مِنَ ٱلْحَقِّ بِإِذْنِهِۦ ﴾ [1]

"تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اپنے حکم سے اس حق کی ہدایت فرما دی جس میں لوگوں نے اختلاف کیا۔"

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن جو اللہ تعالیٰ کے پاس سے ایک حقانیت اور لاریب کتاب ہے' مومنوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔ اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور وہ ان کے اوپر اندھا پن ہے۔

﴿ وَٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِىٓ ءَاذَانِهِمْ وَقْرٌ ﴾

اور یہیں سے بات ہی بات میں ہم یہ بیان بھی کرنا چاہیں گے کہ مومن

---

[1] سورہ بقرہ۔۲۱۳ اور سورہ فصلت۔۴۴

حق تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ اور کیسے بے سود اختلاف سے کنارہ کش رہ سکتا ہے۔

اختلاف کے انواع واقسام:

خلاف یا اختلاف کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) اختلاف مذموم۔(۲) اختلاف ممدوح۔(۳)اختلاف جائز

اختلاف مذموم:

اختلاف مذموم کی بہت سی صورتیں ہیں جن میں سے بعض بعض سے زیادہ قابل مذمت ہیں، مثلاً:

(الف) انسانی دنیا میں مومن اور کافر ہونے کا اختلاف - اسی کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ ۞ هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا﴾ [1]

"یعنی یہ دو فریق جو اپنے رب کے بارے میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔"

(ب) بدعتیوں اور نفس پرستوں کا اختلاف - جیسے خوارج اور ان جیسے لوگوں کا اختلاف جنہوں نے مسلمانوں کی جماعت کے خلاف بغاوت کی، اور ان کا خون جائز قرار دینے کی دعوت دی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن

---

[1] سورہ حج-۱۹

عباس رضی اللہ عنہما سے ان جیسے لوگوں کے اجتہاد کا ذکر کیا گیا تو فرمایا کہ :
" یہ لوگ اجتہاد میں یہود و نصاریٰ سے زیادہ سخت نہیں ہیں جب کہ وہ ضلالت پر ہیں-"

(ج) یہ اعتقاد جازم جس پر تقلید آمادہ کرتی ہے کہ مذہب مخالف قطعاً باطل ہے- یہاں تک کہ اس کی بنیاد پر ایک کی دوسرے کے پیچھے نماز میں نہیں ہونے لگتیں، حالانکہ اختلاف چند ایسے مسائل میں ہے جن میں اجتہاد اور وسعت نظر کی گنجائش ہے-

(د) قائلین تقلید اور منکرین تقلید کا اختلاف بھی اسی قسم کی ایک کڑی ہے- چنانچہ بسااوقات تقلید بعض افراد کو اپنے امام کی بیجا حمایت میں ترک سنت پر اس کے ظاہر و ثابت اور واضح و مبرہن ہونے کے باوجود آمادہ کر دیتی ہے- اور وہ شخص سنت کی تاویل میں تکلف برتنے لگتا ہے، اور جوابات کے لئے حیلہ سازی اور ناپسندیدہ بات کو طول دینے لگتا ہے، یہاں تک کہ معاملہ آپس میں فرقت اور سخت دشمنی تک جا پہنچتا ہے-

خصوصاً نماز اور اس کی بعض ہیئتوں اور افعال کے بارے میں پیدا شدہ اختلاف، جیسے رفع الیدین اور عدم رفع الیدین وغیرہ جن میں سے اکثر مستحب کے حکم میں ہیں، جب کہ مسلمانوں میں تفریق حرام اور الفت پیدا کرنا واجب ہے-

ان سب باتوں کو یہاں پیش کرنے کا مقصد بعض صورتوں اور مثالوں

کو پیش کرنا ہے- تدابیر اور آداب کی بات عنقریب آئے گی لیکن اس جیسے اختلافات میں مذمت کا سبب آپ بخوبی دیکھ سکتے ہیں کہ وہ یا تو حق کا انکار ہے یا غلبہ نفسانیت اور کچھ لوگوں کی بیجا حمایت' ایسے اختلافات خالص حق کے لئے نہیں ہوتے-

اختلاف ممدوح:

ممدوح یا محمود اختلاف سے مراد اہل کتاب، مشرکین اور فاسقوں اور بے ادبوں کی ہیات و حالات اور ان کے تیوہاروں اور تقریبات کی مخالفت کرنا ہے- اور ایسی اور اس جیسی مخالفت قابل تعریف ہے اور شریعت میں ممدوح و محمود ہی نہیں بلکہ شریعت کا مقصد بھی ہے، اور ان کی مشابہت اور تشبہ سے نہی وارد ہوئی ہے-

اختلاف جائز:

جائز اختلاف اجتہادی مسائل میں مجتہدین' یعنی فقہاء و مفتیان اور حکام کا اختلاف ہے- فرامین نبویہ میں سے اس صحیح حدیث کی طرف دھیان دیجئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إذا حكم الحاكم فأصاب له أجران، وإذا حكم فأخطأ فله أجر[1]

---

[1] بخاری و مسلم

"حاکم جب اپنے اجتہاد سے درست فیصلہ کر دے تو اسے دوہرا اجر ہے، اور جب فیصلہ میں چوک جائے تو اسے اکہرا اجر ہے-"

یہ صحیح حدیث مجتہد سے چوک ہو جانے کے امکان کی واضح دلیل ہے- اور چوک ہونے کا مطلب ہوا اختلاف ہونا، خواہ وہ اس کے اور کسی دوسرے کے درمیان ہو، یا اس کی رائے کے متبعین اور مخالفین کے درمیان ہو- پھر مخالف کے لئے اجر کا ثبوت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جائز اختلاف ہے ورنہ وہ کسی اجر کا مستحق نہیں ہوتا- اور بنی قریظہ کا واقعہ تو مشہور و معروف ہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جماعتوں کو برقرار رکھا- اور مسلمان علماء فقہاء اور حکام دور صحابہ سے اب تک اصل اختلاف کا انکار کئے بغیر مسائل میں اختلاف کرتے آئے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے - ذیل میں ہم اس کے کچھ نمونے بیان کر رہے ہیں-

(۱) امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کرتے تھے تو ہم میں سے کچھ لوگ روزہ دار ہوتے تھے اور کچھ افطار کرتے تھے- کچھ لوگ پوری نماز پڑھتے تھے اور کچھ قصر کرتے تھے، لیکن اس متضاد عمل کے باوجود کوئی ایک دوسرے پر عیب نہیں لگاتا تھا-"

(۲) امام مسلم نے بھی صحیح مسلم میں ابو خالد احمر سے حمید سے

روایت کیا ہے کہ میں سفر میں نکلا اور روزہ رکھ لیا تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ روزہ دہراؤ، تو میں نے کہا کہ مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا ہے کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کرتے تھے تو روزہ دار غیر روزہ دار اور غیر روزہ دار روزہ دار پر عیب نہیں لگاتا تھا- پھر میری ملاقات عبداللہ ابی ملیکہ سے ہوئی تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے ایسی بات مجھے بتائی-

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعض اختلافی مسائل:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے درمیان اختلاف کی مثالیں بہت زیادہ ہیں، جو حصر سے باہر ہیں اور خصوصیت سے اس جیسی مختصر مجلس میں، لیکن میں کچھ ایسے قضیوں کی طرف اشارہ کروں گا جن میں کچھ نتیجہ خیز قضیئے بھی ہیں اور جن کے بارے میں مَیں کہہ سکتا ہوں، بلکہ یقین رکھتا ہوں کہ امت کی روش اور اس کے انجام کا دارومدار اسی اختلاف کے نتائج پر ہے-

مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بارے میں ان کا اختلاف -یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار ہی نہیں کیا تھا بلکہ اس کے قائل کو قتل کی دھمکی دیتے ہوئے تلوار سونت لی- جب کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے تو اس سلسلے میں چند آیتیں تلاوت فرمائیں اور کہا:

﴿ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ﴾[1]

"یعنی بیشک آپ کو موت آنی ہے اور انہیں بھی موت آنی ہے۔"

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِيْن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ﴾[2]

"اور محمد تو صرف ایک رسول ہیں۔ آپ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے؟"

تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا یقین ہوا اور فرمایا کہ گویا میں نے اس سے پہلے اسے پڑھا ہی نہ تھا۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کی جگہ کے بارے میں ان کا اختلاف۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے بارے میں ان کا زبردست اور معنی خیز اختلاف، اس سلسلے میں ثقیفہ بنو ساعدہ کا واقعہ تو مشہور ہی ہے جسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ وہاں ان کا اختلاف اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ کسی نے کہا" ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے 'اور

---

[1] سورہ الزمر-۳۰

[2] سورہ آل عمران-۱۴۴

دوسرے نے کہا کہ ہم امیر ہوں گے اور تم وزیر ہو گے-"

چنانچہ ہوا یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کرلی، اور پھر بیعت کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور جماعت جس نتیجہ پر پہنچی تھی اسے مان لیا گیا- کیونکہ ان کے مقاصد نیک تھے، اور نفسانیت ان سے دور تھی-

یہ تھی صحابہ رسول اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہم کی شان، جو برگزیدہ تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے پسند کیا تھا-

☆ مانعین زکاۃ سے قتال کے سلسلے میں ان کا اختلاف-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کے بعد کچھ نئے مسلم قبائل اسلام سے پھر گئے، اور کچھ قبائل جھوٹے مدعیان نبوت جیسے مسیلمہ کذاب وغیرہ کے پیرو ہو گئے، نیز کچھ قبائل زکاۃ ادا کرنے سے رک گئے-

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ کیا کہ ان سے قتال کا عزم کر لیا- لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ ان سے قتال کیسے کریں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ: "مجھے لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں- لہٰذا جو اس کا قائل ہو گیا اس نے مجھ سے اپنے جان و مال کی حفاظت کر لیا

مگر اس کے حق کے ساتھ، اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔"

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ سننے کے بعد بھی فرمایا کہ: واللہ میں اس شخص سے لڑوں گا جو نماز اور زکاۃ کے درمیان تفریق کرے گا، کیونکہ زکاۃ مال کا حق ہے۔ واللہ اگر وہ مجھ سے ایک رسی بھی روکیں گے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کیا کرتے تھے تو میں اسے روکنے پر ان سے لڑوں گا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ عزم دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کی رائے مان لی، اور آپ کی رائے پر صحابہ کا اتفاق ہو گیا اور اسلام کا وقار بڑھ گیا۔ بلکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے اور آپ کا عمل ضرب المثل بن گیا جس سے بحران اور مصیبتوں میں استشہاد کرتے ہوئے کہا جانے لگا۔ ردّۃ ولا ابا بکر لہا۔

حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم کی فقہ:

دونوں نے مرتد اسیروں کے بارے میں اختلاف کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے برعکس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے اہل ارتداد کی عورتوں کو قیدی بنانے کی تھی، جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس مسئلے کے اندر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو توڑ دیا، اور انہیں ان کے گھر والوں کو واپس کر دیا۔ لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر آپ نے تنقید نہیں کی، کیونکہ اجتہادی

مسائل میں دونوں کا اپنا اپنا اجتہاد تھا۔

مفتوحہ اراضی کی تقسیم کے بارے میں دونوں میں اختلاف رہا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مفتوحہ اراضی تقسیم کی گئیں، اور عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تقسیم نہیں ہوئیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انتقال کے وقت اپنے بعد کے لئے جانشین متعین کیا، اور حضرت عمر نے جانشین نہیں بنایا، بلکہ معاملہ شوریٰ کے سپرد کر دیا، اور یہ نقطۂ نظر کا اختلاف ہے جیسا کہ معلوم ہے۔

حضرت عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما:

بھائیو! آپ کو معلوم ہے کہ عبداللہ بن مسعود اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کتاب اللہ کے سب سے زیادہ قاری اور سنت رسول کے سب سے بڑے عالم تھے، لوگ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بکثرت رہنے کی وجہ سے اہل بیت میں شمار کرتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کچھ زمانے تک ہم ابن مسعود اور ان کی ماں کو اہل بیت میں سمجھتے تھے کیونکہ وہ بکثرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے اور رہتے تھے۔ ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی کو اس آنے والے شخص سے زیادہ قرآن کا جاننے والا چھوڑا ہو۔ تو ابو موسیٰ اشعری نے کہا کہ : وہ آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے جب ہم سب غائب ہوتے تھے، اور انہیں اجازت ہوتی تھی جب کہ ہمیں روک دیا جاتا تھا-

دوسری طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی فقہ اور جلالت شان میں معروف ہیں-

حضرت عبداللہ بن مسعود کچھ اعمال میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لوگوں میں سے ایک تھے- بہت سے اجتہادات میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کی، یہاں تک کہ فقہ اسلامی کے مورخین نے انہیں صحابہ کرام میں حضرت عمر سے سب سے زیادہ متاثر مانا ہے- اور اکثر دونوں اپنے اجتہادات اور انداز استدلال میں متفق بھی ہوتے تھے، اور اکثر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذہب کی طرف بعض مسائل میں رجوع بھی کیا ہے مثلاً: "مقاسمۃالجدو الاخوۃ" کے مسئلے میں کبھی ثلث کی طرف اور کبھی سدس کی طرف-

پھر بھی دونوں نے بہت سے مسائل میں اختلاف بھی کیا ہے- اور ان کے چند اختلافی مسائل یہ ہیں کہ:

☆ابن مسعود رضی اللہ عنہ حالت رکوع میں اپنے دونوں ہاتھوں کی تطبیق کرتے تھے- اور انہیں گھٹنوں پر رکھنے سے روکتے تھے جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں گھٹنوں پر رکھتے تھے اور تطبیق سے روکتے تھے-

☆ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اگر کوئی اپنی بیوی سے کہہ دے کہ "تم مجھ پر حرام ہو" تو یہ یمین اور قسم ہے، جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے ایک طلاق مانتے تھے۔

☆ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایسے شخص کے بارے میں جس نے کسی عورت سے زنا کیا پھر اس سے شادی کر لی ہو یہ فرماتے تھے کہ جب تک دونوں ساتھ رہیں زناکار ہوں گے، جب کہ حضرت عمر کا خیال یہ نہیں تھا، بلکہ وہ پہلی حالت کو زنا اور دوسری حالت کو نکاح مانتے تھے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان مختلف فیہ مسائل کو سو سے زیادہ شمار کیا ہے۔ لیکن اس قدر اختلاف کے باوجود ایک کے نزدیک دوسرے کی محبت میں کوئی کمی نہیں آئی اور نہ ایک دوسرے کے احترام اور تعلق و دوستی میں کوئی کمزوری آئی۔

دیکھئے یہ ابن مسعود ہیں، ان کے پاس دو شخص آتے ہیں، ایک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پڑھا ہے، اور دوسرے نے کسی اور صحابی کے پاس۔ تو جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پڑھا ہے وہ کہتا ہے کہ مجھے عمر بن الخطاب نے ایسے پڑھایا ہے۔ یہ سن کر ابن مسعود رونے لگتے ہیں یہاں تک کہ کنکریاں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں اور فرماتے ہیں کہ جیسے عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھایا ہے ویسے ہی پڑھو، کیونکہ وہ اسلام کا ایسا

مضبوط قلعہ تھے جس میں لوگ داخل ہو کر نکلتے نہیں تھے، لیکن جب ان کی شہادت ہو گئی تو قلعہ میں شگاف پڑ گیا-

اسی طرح ایک دن کا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود آ رہے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے، جب انہیں آتے دیکھا تو کہنے لگے: "كنيف ملئ علما أو فقها" یعنی آپ علم وفقہ کا پٹارہ (یعنی لبریز) ہیں- اور ایک روایت میں ہے:

كنيف ملئ علما آثرت به أهل القادسية

"یعنی آپ علم کا پٹارہ ہیں- میں نے انہیں قادسیہ (کے مجاہدین) کے حوالہ کر دیا ہے-"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ نظریہ تھا- اور چند مسائل میں اختلاف نے ان کے آپس کے احترام و محبت میں اضافہ ہی کیا تھا-

ہمارے لئے ممکن ہے کہ ان واقعات سے ان تمام تر ایسے آداب کا استنباط کریں جو اختلافی معاملات کے حل کے لئے مشعل راہ ہوں-

عبداللہ بن عباس اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم:

حضرت ابو بکر صدیق اور دیگر بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مانند عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب بھی یہی تھا کہ میراث میں باپ

ہی کے مانند دادا بھی سبھی بھائی اور بہنوں کو ساقط کر دیتا ہے۔

اور حضرت علی، عبداللہ بن مسعود اور کچھ دیگر صحابہ کے مانند زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ بھائی' دادا کے ساتھ وارث ہوتے ہیں اور وہ اس کے سبب محجوب نہیں ہوتے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روز کہا کہ "تعجب ہے، زید بن ثابت کو اللہ کا خوف نہیں، بیٹے کے بیٹے یعنی پوتے کو بیٹا بناتے ہیں اور باپ کے باپ یعنی دادا کو باپ نہیں بناتے۔"

بلکہ ایک روز ابن عباس کہنے لگے کہ "میں چاہتا ہوں کہ میں اور وہ لوگ جو میراث کے اس مسئلہ میں میری مخالفت کرتے ہیں یکجا ہوں اور اپنا ہاتھ حجراسود پر رکھ کر مباہلہ کریں اور جھوٹے پر اللہ کی لعنت کریں۔"

ابن عباس نے جن کو اپنے اجتہاد کی صحت اور زید بن ثابت کے اجتہاد کی چوک پر اس قدر اعتماد تھا ایک روز زید بن ثابت کو سواری پر دیکھا تو اس کی رکاب پکڑ لی اور لے کر چلنے لگے۔ اس پر زید بن ثابت نے کہا اے چچازاد رسول چھوڑیئے، تو ابن عباس فرماتے ہیں کہ "ہمیں اپنے علماء اور بڑوں کے ساتھ ایسا ہی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر زید بن ثابت نے کہا کہ اچھا مجھے اپنا ہاتھ دکھایئے اور ابن عباس نے اپنا ہاتھ نکالا تو زید بن ثابت نے اسے چوم لیا اور فرمایا کہ ہمارے نبی کے اہل بیت کے ساتھ ہمیں یہی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

جب زید بن ثابت کا انتقال ہوا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسے ہی علم کا خاتمہ ہوگا- بلکہ سنن کبریٰ بیہقی کی روایت میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسے ہی علم کا خاتمہ ہوتا ہے، آج بہت سا علم دفن کر دیا گیا-

الغرض یہ تھے فقہی اختلافات کے چند نمونے اور مخالفین کے موقف کی چند مثالیں-

پُر آشوب دور میں اختلاف کا ادب و سلیقہ:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان جو فتنے رونما ہوئے وہ سبھی کو معلوم ہیں، اور ہمارا مذہب اہل سنت والجماعت کے مانند صحابہ کرام کی باہمی آویزش کے متعلق سکوت اور خاموشی کا ہے- لیکن ان فتنوں میں شعوبی، دین مخالف، وسیسہ کار اور ہوا پرستوں نے جو غبار آلود وفضا میں شکار کیا کرتے ہیں' شکار کیا- اور اسی بنا پر کئی ایسے قصے اور واقعات مل جائیں گے جو ایک منصف کے صاف ذہن کو مکدر اور تیرہ بنا دیتے ہیں- بلکہ کرید کرنے والے کو ان میں ایسے اغراض و مقاصد اور اہداف مل جاتے ہیں جن کے پس پردہ دین کو منہدم کرنا اور ان صحابۂ رسول کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت کے لئے منتخب کیا تھا-

لیکن اگر تم انصاف کی نظر سے دیکھو گے تو اس کے برعکس یہ پاؤ گے

کہ اگرچہ تلوار بلند ہوئیں اور خون بہے، پھر بھی یہ حقیقت سامنے آئے گی اور ادراک اسی بات کا ہوگا کہ جو کچھ ہوا وہ اجتہاد کی حد سے آگے نہیں بڑھا، اور دین اور صحت عقیدہ میں الزام کی حد تک نہیں پہنچا۔

مشہور اموی حاکم مروان بن حکم کہتا ہے کہ:

"میں نے فاتحین میں علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو معزز نہیں دیکھا، ہم تو جنگ جمل کے روز شکست کھا کر پیچھے بھاگ رہے تھے اور ادھر ایک منادی اعلان کر رہا تھا کہ: زخمیوں کو تہ تیغ نہ کیا جائے۔"

ایک اور قصہ سنو:

جنگ جمل جو حضرت علی اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ہوئی تھی، جنگ کے بعد عمران بن طلحہ حضرت علی کے پاس آتے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ انہیں مبارک باد دیتے ہیں اور اپنے قریب کر لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہارے والد طلحہ کو ان لوگوں میں شامل کرے گا جن کے بارے میں اس کا ارشاد ہے:

﴿ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴾[1]

"ہم ان کے سینوں کے بغض و حسد کو ختم کر دیں گے، وہ مسند پر

---

[1] سورہ الحجر-۴۷

آمنے سامنے بھائی بھائی بن کر بیٹھے ہوں گے۔"

پھر ان سے طلحہ کے اہل بیت کے بارے میں فرداً فرداً اور ان کے غلاموں اور امہات الاولاد (لونڈیوں) کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ بھتیجے بتاؤ کہ فلاں کی حالت کیا ہے اور فلانی عورت کی حالت کیسی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

حاضرین میں سے جنہیں صحبت نبوی کا شرف حاصل نہیں تھا، اور محمدی تربیت کے معانی نہیں سمجھتے تھے تعجب کرنے لگے۔ بلکہ ان حاضرین میں کنارے بیٹھے دو شخص کہنے لگے: اللہ اس سے زیادہ عادل ہے۔ کل تک آپ ان سے لڑتے رہے اور جنت میں بھائی بھائی ہو جاؤ گے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ سن کر بھڑک جاتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں: تم دونوں اٹھو اور کسی دور و دراز علاقے میں جا کر رہو، تم میری مجلس میں رہنے کے لائق نہیں ہو۔ اگر میں اور طلحہ ایسے نہ ہوں تو پھر کون ہے، بتاؤ پھر کون ایسا ہے؟

ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ جمل میں ان کے مخالفین کے بارے میں دریافت کرتا ہے کہ کیا وہ لوگ مشرک ہیں؟

آپ جواب دیتے ہیں کہ وہ تو شرک ہی سے بھاگ کر مسلمان ہوئے تھے۔

سوال کرنے والا پھر کہتا ہے کہ تو کیا وہ منافق ہیں؟

آپ جواب دیتے ہیں کہ منافقین اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں- اس نے کہا: پھر وہ لوگ کیا ہیں؟

تو آپ فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے بھائی ہیں، فرق یہ ہے کہ انہوں نے ہم پر زیادتی کی-

عمار بن یاسر اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما:

ایک شخص نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے روبرو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اہانت کی، جب کہ وہ جنگ جمل میں ان کے موقف کے مخالف تھے جیسا کہ سب جانتے ہیں، تو وہ فرماتے ہیں:

"ذلیل، نکمے چپ رہو، کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ کو تکلیف دے رہے ہو؟ میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی رہیں گی، ہمیں یقین ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا اور آخرت میں بیوی ہیں- ہاں ہماری ماں حضرت عائشہ نے جو روش اپنائی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف ایک آزمائش تھی کہ آیا اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں یا ان (عائشہ رضی اللہ عنہا) کی-"

بھلا اب کون سا ادب باقی رہ گیا جس کا انتظار کیا جائے؟

حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما:

حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما میں چشمک و اختلاف کے باوجود امیر معاویہ کو کوئی پس و پیش نہیں تھا کہ اپنے مشکل مسائل کے حل کے لئے ان کے پاس استفتاء روانہ کریں۔

امام مالک اور امام بیہقی نے سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے کہ ابن خیبری نامی ایک شامی شخص نے ایک شخص کو اپنی بیوی کے پاس پایا اور اسے قتل کر دیا، یا دونوں کو قتل کر دیا اور امیر معاویہ کے لئے اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا، تو انہوں نے ابو موسیٰ اشعری کے پاس لکھ بھیجا کہ اس بارے میں حضرت علی سے مسئلہ دریافت کریں۔جب ابو موسیٰ اشعری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ میرے علاقہ کا معاملہ تو نہیں ہے، لہٰذا پہلے تم مجھے اس کی حقیقت بتاؤ، تب ابو موسیٰ اشعری نے کہا کہ میرے پاس حضرت معاویہ کا خط آیا ہے کہ آپ سے معلوم کروں، تو حضرت علی نے فرمایا کہ میں ابوالحسن ہوں، اگر وہ چار گواہ نہ پیش کرے تو اسے قصاص کے لئے مقتول کے ورثہ کے حوالہ کر دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا خون مکمل طور پر حرام کیا ہے، لہٰذا جس پر کسی مسلمان کا قتل کرنا ثابت ہو اور وہ دعویٰ کرتا ہو کہ اس کا قتل واجب تھا تو اس کی یہ بات تسلیم نہیں ہو گی جب تک وہ اپنے دعوے کا ثبوت نہ پیش کرے، کیونکہ اس دعویٰ سے وہ اپنے اوپر

سے قصاص اٹھا دینا چاہتا ہے-

امیر معاویہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رو رہے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اپنے رب کی آغوش رحمت میں چلے جانے کے بعد جب حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے جھگڑے بند ہوگئے تو ضرار بن حمزہ کنانی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آتے ہیں، معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف پوچھتے ہیں- ضرار کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین مجھے معاف فرمایئے ، یعنی مجھ سے یہ بات نہ پوچھئے - امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نہیں میں تمہیں معاف نہیں کروں گا- ضرار بن حمزہ کہتے ہیں کہ جب بیان کئے بغیر کوئی چارہ نہیں تو سنیئے : بخدا وہ بلند ہمت اور بڑے طاقت ور تھے، ان کی بات فیصلہ کن اور حکم عادلانہ ہوتا تھا، ان کے پہلوؤں سے علم کے چشمے ابل رہے تھے اور حکمت ان کے اردگرد سے رواں دواں تھی، وہ دنیا اور اس کی شادابی سے وحشت کرتے تھے، اور رات اور اس کی تاریکی سے انسیت رکھتے تھے، واللہ وہ بڑے اشکبار اور دراز فکر تھے، اپنی ہتھیلیاں الٹتے پلٹے اور اپنے نفس کو مخاطب کرتے تھے، انہیں معمولی لباس اور موٹا کھانا پسند تھا' واللہ وہ ہمارے جیسے ہی ایک فرد تھے، جب ہم آتے تو ہمیں قریب کر لیتے اور جب ہم کچھ سوال کرتے تو جواب دیتے تھے، ہماری ان کی قربت کے باوجود ان کی ہیبت کے سبب ہم ان سے بات نہیں کر پاتے تھے، اگر

مسکراتے تو پروئی ہوئی موتیوں جیسے دانتوں سے مسکراتے، دین داروں کی عزت کرتے اور غریبوں سے محبت کرتے تھے، طاقتور ان سے اپنے باطل کی امید نہیں لگاتا تھا اور کمزور ان کے عدل سے ناامید نہیں ہوتا تھا- میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے ایک مرتبہ انہیں دیکھا ہے جب کہ رات نے اپنے پردے لٹکا لئے اور ستارے جھلملا گئے وہ اپنے مصلی پر داڑھی پکڑے جھوم رہے تھے، اور سانپ کاٹے ہوئے کے مانند بل کھا رہے تھے اور غمزدہ کے مانند رو رہے تھے، گویاان کی آواز میرے کانوں میں اب تک گونج رہی ہے اور وہ کہہ رہے ہیں: اے میرے رب، اے میرے رب، اور دنیا کو مخاطب کر کے کہہ رہے ہیں: تونے مجھے چھیڑا ہے، تونے میری طرف جھانکا ہے، افسوس در افسوس، تو میرے سوا کسی اور کو فریب دے، میں نے تجھے تین بائن طلاق دے دی ہے تیری عمر کوتاہ ہے، تیری مجلس حقیر ہے، تیرا خیال معمولی ہے، آہ آہ، توشے کی کمی، سفر کی دوری اور راہ کی وحشت!

یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آنسوان کی داڑھی پر ٹپک پڑے اور وہ ان پر قابو نہیں پا رہے تھے، اور انہیں اپنی آستین سے پونچھ رہے تھے، بلکہ رونے کے سبب حاضرین مجلس کا گلا بھی رندھ گیا، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حقیقتاً ابوالحسن (علی) رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہی تھے- ضرار اب تم مجھے بتاؤ کہ ان کی وفات پر تمہارے غم کی

کیفیت کیا ہے؟ ضرار بن حمزہ نے کہا کہ اس ماں کے غم کے مانند ہے جس کی آغوش میں اس کا بچہ [1] ذبح کر دیا جائے کہ نہ اس کا آنسو تھم رہا ہو اور نہ اس کے غم کو سکون ہو رہا ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد سلف صالحین:

یہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اختلاف اور اس کا سلیقہ اور اس اختلاف میں ان کے موقف اور اس وقت تعامل کے سلسلے میں ان کے ادب کے مہ پارے اور نمونے تھے، ان کے بعد سلف صالحین رضوان اللہ علیہم بھی اسی روش پر چلے۔

حصین بن عبدالرحمٰن کا واقعہ:

حصین بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے پاس تھا تو انہوں نے فرمایا کہ کس نے اس ستارے کو دیکھا ہے جو رات ٹوٹا؟ میں نے کہا کہ میں - پھر میں نے کہا کہ میں تہجد میں نہیں تھا بلکہ مجھے ڈس لیا گیا تھا- انہوں نے کہا پھر کیا کیا؟ میں نے کہا کہ جھاڑ اور دم کر لیا- انہوں نے پوچھا کہ کیوں ایسا کیا؟ میں نے جواب دیا: ایک حدیث کے سبب جو امام شعبی نے ہم سے بیان کی ہے- انہوں نے پوچھا: وہ کون سی حدیث ہے؟ میں نے کہا کہ انہوں نے بریدہ بن حصیب کے واسطے

---

[1] کتاب کے مطبوعہ نسخوں میں ولدھا کے بجائے واحدھا ہے، اصل کتاب کے ناظرین تصحیح فرما لیں۔

سے ہمیں بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"لا رقية إلا من عين أو حمة" یعنی جھاڑ پھونک صرف نظر بد اور زہر کے سبب جائز ہے- تو انہوں نے فرمایا کہ جس نے خود شنیدہ حدیث پر عمل کر لیا بہتر کیا-

میرے محترم بھائیو! اللہ تم پر رحم کرے- سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات پر دھیان دو کہ "جس نے خود شنیدہ حدیث پر عمل کر لیا بہتر کیا-" یعنی جس نے اس علم کو حاصل کر لیا جو اسے پہنچا تھا اور اسی پر عمل بھی کر لیا تو اس نے اچھا کیا، کیونکہ اس نے اپنے فرض کو نبھایا اور اپنے حاصل شدہ علم پر عمل کیا، برخلاف اس شخص کے جو نادانی پر عمل کرتا ہے، یا برخلاف اس شخص کے جو علم کے باوجود عمل نہیں کرتا، ایسا شخص تو غلط کار اور گناہ گار ہے-

علامہ سلیمان بن عبداللہ بن شیخ الإسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ کتاب التوحید کی شرح "تیسیر العزیز الحمید" (ص ۱۰۴، ۱۰۵) میں [1] لکھتے ہیں کہ :

---

[1] کتاب میں غلطی سے شیخ الإسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التوحید کے مسائل کا حوالہ دیا گیا ہے نیز عبارت میں بھی کچھ سقط ہے، یہاں اس کی تصحیح کر لی گئی ہے اور مؤلف حفظہ اللہ کو اس کی خبر کر دی گئی ہے جس کیلئے مؤلف ہمارے شکر گذار ہیں- وھکذا لیکن آدب الخلاف بین المسلمین-

"اس واقعہ سے سلف صالحین کے علم،حسن ادب اور سیرت و کردار کی فضیلت اور تعلیم و تبلیغ میں تلطف، اور ایک جائز و مشروع مسئلہ کے بالمقابل دوسرے افضل طریقہ کار کی رہنمائی پر روشنی پڑتی ہے- نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے حاصل شدہ جس بات پر بھی عمل کر لیا جائے وہی بہتر ہے' فقہاء مذاہب وغیرہ کی موشگافیوں کی معرفت پر کوئی عمل موقوف نہیں ہے-"

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں:

اور ہم نے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے اختلافات کے بارے میں بتایا تاریخ وسیرت کی کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں، اور ان میں گندے پانی میں شکار کرنے والوں کے لئے بھی جو گنجائشیں ہیں ایسے ہی ائمہ سلف رضوان اللہ علیہم اور خصوصیت سے ائمہ متبوعین کے بارے میں کہا جاتا ہے- لہٰذا ان میں سے بعض کی تنقیص کی گئی، یا تعصب کے نتیجے میں ان میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہا- لیکن جو بنظر انصاف غور کرے گا وہ اس کے برخلاف پائے گا-

مثلاً یہی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، وہ اہل الرائی میں جس مرتبہ کے ہیں ہم اسے اچھی طرح جانتے ہیں،امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ ان کی توثیق کرتے ہیں اور ان کے بیان کے خواہش مند ہیں اور جب انہیں امام ابو حنیفہ کی وفات کی خبر پہنچتی ہے تو

کہتے ہیں" ان کے ساتھ کوفہ کی فقہ کا خاتمہ ہو گیا، اللہ ان پر اور ہم پر اپنا فضل و رحم فرمائے۔"

ایک شخص نے یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ علیہ سے ابو حنیفہؒ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک علم الٰہی کے بغیر کسی دوسری شئ سے زینت حاصل نہیں ہو سکتی۔ بخدا ہم جب ان میں کوئی بھلی بات دیکھتے تو لے لیتے تھے۔"

مطلب یہ ہے کہ اختلاف اور آراء و اقوال میں عدم موافقت کسی مخالف کی بھلی بات قبول کرنے اور کوئی قول اس کی طرف منسوب کرنے سے مانع نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ علیہ سے عثمان البتی کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ وہ "مقارب [1]" شخص تھا۔ اور ابو شبرمہ کے بارے میں پوچھا گیا تو یہی جواب دیا۔ پھر ابو حنیفہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ: "اگر وہ مسجد کے ان ستونوں

---

[1] مقارب، یا مقارب الحدیث اصول حدیث کی اصطلاح میں تعدیل کے الفاظ میں سے ہے۔ اس لفظ کا ایسے راوی حدیث پر اطلاق ہوتا ہے جس کی حدیث شاذ اور منکر نہ ہو، بلکہ اس کی حدیث دوسرے راوی کی حدیث جیسی ہو یا دوسرے راوی کی حدیث اس کی حدیث کے قریب قریب اور مانند ہو۔

بعض محدثین کے نزدیک مقارب راء کے کسرہ کے ساتھ تعدیل اور فتح کے ساتھ جرح کے الفاظ میں سے ہے (ابو القاسم)

کے بارے میں (جو کہ پتھر کے ہیں) لکڑی کا ہونے پر تم سے مناظرہ کرنے لگیں تو تم انہیں لکڑی سمجھنے لگو گے۔"

یہ قیاس میں ان کی مہارت کی طرف اشارہ ہے[1]

رہے امام شافعی رحمہ اللہ تو ان سے ان (یعنی ابو حنیفہ رحمہ اللہ) کے بارے میں یہ قول بکثرت مروی ہے کہ: "الناس فی الفقه عیال علیٰ أبی حنیفة" یعنی لوگ فقہ میں ابو حنیفہ پر اعتماد اور بھروسہ کرنے والے ہیں[2]

امام مالک رحمہ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے مابین:

رہا امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا معاملہ تو اس سلسلے میں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مالک بن انس میرے معلم ہیں۔ انہیں سے میں نے علم حاصل کیا ہے۔ اور جب علماء کا ذکر آئے تو امام مالک ثریا ستارہ ہیں۔ اور میرے نزدیک مالک بن انس سے زیادہ مامون کوئی نہیں ہے۔

اور فرماتے تھے کہ جب امام مالک کے واسطے سے حدیث ملے تو اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ لو۔ کیونکہ اگر کسی حدیث میں شک ہو

---

[1] مترجم کے خیال میں یہ مقولہ "ماهذه العین المالحة التی تبعث قبلکم" یعنی یہ کون سا کھارا چشمہ آپ کے یہاں ابل پڑا ہے کی طرح امام مالک رحمہ اللہ علیہ کی طرف سے امام ابو حنیفہ پر دقیق ورقیق تلمیحی جرح ہے۔ فافهم و تدبر

[2] یہ تو لفظ "عیال علیٰ أبی حنیفه" کا معنی ہوا، دیگر روایتوں میں "عیال أبی حنیفه" آیا ہوا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ لوگ فقہ میں ابو حنیفہ کی کفالت میں ہیں۔ الغرض امام شافعی کا یہ مقولہ بہت ہی ذو معنی ہے۔ فافقهم و تدبر (مترجم)

جاتا تھا تو مالک بن انس پوری حدیث ہی ترک کر دیتے تھے۔

امام مالک اور امام شافعی کا ایک مشہور واقعہ:

امام شافعی کی عمر ۱۵ سال تھی، یہ ان کا طالب علمی کا دور تھا، اساتذہ کی صف میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ اسی وقت کی بات ہے کہ امام مالک سے ایک شخص کے بارے میں مسئلہ پوچھا گیا جس نے کوئی بلبل اس شرط پر خریدی کہ وہ برابر چہچہاتی رہے گی مگر وہ دن کے کچھ وقت میں چہچہاتی ہے۔ امام مالک نے جواب دیا کہ اسے بلبل واپس کر دینی جائز ہے۔

سائل یہ مسئلہ دریافت کر کے جانے لگا تو اس کی ملاقات شافعی رحمہ اللہ علیہ سے ہوئی، انہوں نے اس سے پوچھا کہ دن میں زیادہ تر چہچہاتی رہتی ہے یا اکثر خاموش رہتی ہے؟ اس نے کہا کہ زیادہ تر چہچہاتی رہتی ہے۔ تو امام شافعی نے جواب دیا کہ اسے واپس کرنے کا اختیار نہیں۔

سائل یہ سن کر امام مالک رحمہ اللہ علیہ کے پاس گیا اور بولا کہ میرے مسئلے پر غور کیجئے۔ انہوں نے کہا کہ میری رائے وہی ہے جو میں نے تمہیں بتا دی۔ اس نے کہا کہ دروازے پر آپ کا ایک شاگرد ہے جو کہتا ہے کہ وہ مجھے بلبل واپس نہیں کر سکتا۔ امام مالک نے فرمایا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ اور امام شافعی حاضر کئے گئے تو فرمایا کہ تم کہتے ہو کہ وہ واپس نہیں کر سکتا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، میں نے آپ کو اسناد ذکر کرتے ہوئے حدیث بیان کرتے سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

فاطمہ قرشیہ سے فرمایا کہ ابوجہم اپنا ڈنڈا شانے سے نہیں اتارتے- اور معاویہ غریب ہیں ان کے پاس مال نہیں ہے-تم اسامہ سے شادی کر لو-

امام مالک رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں تمہاری بات کی کون سی دلیل ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ ڈنڈا شانے سے نہیں اتارتے یعنی بہت سفر کرتے تھے- مگر وقتاً فوقتاً مقیم رہتے تھے، لیکن ان کے بیشتر اوقات سفر میں گزرتے تھے-لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وسعت کے طور پر ان کے بیشتر حالات کے لحاظ سے پورے حالات کو تعبیر کر دیا اور زبان عرب میں ایسی وسعت جائز ہے- تو اسی وجہ سے میں نے کہا کہ جب دن کے اکثر حصے میں اس کا چہچہانا ہوتا ہے تو واپس نہیں کی جائے گی، کیونکہ اسے پورے سے تعبیر کیا جائے گا-

امام شافعی کے دور طالب علمی کا یہ استدلال سن کر مسلم بن خالد زنجی نے ان سے کہا کہ اب تم فتویٰ دو، تمہارے فتویٰ دینے کا وقت ہو گیا-

امام مالک رحمہ اللہ علیہ اپنے اس شاگرد یا اس طالب علم کے اپنے مسئلے کو رد کرنے پر ناراض نہیں ہوئے- اور نہ اسے مسئلے بتانے سے روکا بلکہ اسے قبول کر لیا-

یہ واقعہ مزید کسی حاشیہ آرائی کا محتاج نہیں-

امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کا معاملہ :

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ اور امام احمد رحمہ اللہ علیہ کا معاملہ بھی ایسے ہی مشہور ہے- عبداللہ بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے کہا کہ شافعی کون شخص تھے کہ میں اکثر آپ کو ان کے حق میں دعاء کرتے ہوئے سنتا ہوں؟ تو فرمایا کہ بیٹے! شافعی رحمۃ اللہ علیہ دنیا کے لئے آفتاب اور لوگوں کے لئے عافیت کے مانند تھے- لہٰذا تم خود غور کرلو کہ ان دونوں کا کوئی جانشین یا بدل ہے؟

صالح بن امام احمد کہتے ہیں کہ مجھ سے یحیٰی بن معین کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ تمہارے والد جو کر رہے ہیں اس سے شرماتے نہیں؟ میں نے کہا کیا کر رہے ہیں؟ کہا کہ میں نے دیکھا کہ شافعی سواری پر ہیں اور وہ ان کے سواری کی لگام پکڑے پیادہ چل رہے ہیں-میں نے اپنے والد سے یہ بات کہی تو انہوں نے فرمایا کہ ان سے (یحیٰی بن معین سے) ملو تو کہو کہ میرے والد آپ سے کہتے ہیں اگر فقیہ بننا چاہتے ہو تو آؤ اور دوسری طرف سے تم ان کی رکاب پکڑ لو-

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب مجھ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا ہے اور اس کے بارے میں مجھے کوئی حدیث معلوم نہیں ہوتی تو میں امام شافعی کا قول بتا دیتا ہوں کیونکہ وہ قریش کے عالم و امام ہیں-

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے بارے میں امام احمد کی یہ رائے تھی، اور یہ تعجب کی بات نہیں کہ شاگرد اپنے استاذ پر فریفتہ ہو، اور اس کے علم و فضل کا معترف ہو- لیکن خود امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کو امام احمد رحمہ اللہ علیہ کی شاگردی ان کے فضل اور معرفت حدیث کے اعتراف سے مانع نہیں ہوئی- چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ تم حدیث و رجال میں مجھ سے زیادہ جانکار ہو- لہٰذا جب حدیث صحیح ہو تو مجھے بتادیا کرو خواہ وہ کوفی حدیث ہو یا بصری یا شامی- اگر وہ حدیث صحیح ہوگی تو اسے ہی میں اپنا مذہب قرار دوں گا-

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ امام احمد رحمہ اللہ علیہ کے واسطے سے جب کوئی حدیث روایت کرتے تو احتراماً ان کا نام نہ لیتے بلکہ فرماتے-

حدثنا الثقة من أصحابنا أو أخبرنا الثقة

"یعنی ہمارے ثقہ دوست نے یہ حدیث بیان کی ہے یا ہمیں یہ خبر دی ہے-"

الغرض یہ ہمعصروں کے چند نمونے ہیں- صحابہ ہمعصر تھے اور ساتھی تھے-

ائمہ بھی باہم ساتھی تھے- اہل علم کی کتابیں ان جیسے نمونوں سے بھری پڑی ہیں لیکن یہاں بسط و تفصیل کا موقع نہیں، البتہ اس کے کچھ اہم نقوش کی طرف اشارہ کر رہا ہوں-

ائمہ مسلمین کے سلیقہ اختلاف کے چند نقوش:

ائمہ نے بہت سے اجتہادی امور میں اختلاف کیا ہے، اور ان سے پہلے صحابہ تابعین بھی بہت سے اجتہادی امور میں اختلاف کر چکے ہیں۔ لیکن وہ سب کے سب ہدایت پر ہیں جب تک ان کا اختلاف تفریق و انتشار اور شہوت و نفسانیت پر نہ ہو، وہ لوگ رضائے الٰہی اور حق یابی کے لئے پوری کوشش کرتے تھے۔ اسی سبب سے ہر زمانے کے علماء اجتہادی مسائل میں مفتیوں کے فتوے قبول کر لیتے تھے اور مصیب کو درست قرار دیتے تھے اور چوک کرنے والے کے لئے دعائے مغفرت کیا کرتے تھے اور سب سے حسن ظن رکھتے تھے۔

یہ لوگ قاضیوں کے فیصلے کو کسی بھی مذہب پر تسلیم کر لیتے تھے۔ اور قاضی اپنی صواب دید سے بغیر کسی پریشانی اور تعصب کے برخلاف بھی فیصلہ دیا کرتے تھے۔ خصوصا ان مسائل میں جو زیادہ مشکل ہوا کرتے تھے۔

میں اس سلسلے میں ایک اہم بات کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا جس کی جانکاری طلبہ کے لئے زیادہ مناسب ہے اور وہ ہے فقہی مذہب کی تالیفات اور کتب فتاویٰ کے درمیان تفریق کی بات۔ چنانچہ عموماً مدونات فقیہ جو کسی مخصوص مذہب کے قواعد کے مطابق ہوتی ہیں وہ کسی ایک طریقہ کی پابندی ہوتی ہے اور کسی ایک ایسے منہج کو لازم پکڑتی ہیں جن میں

خلف سے سلف کی ایک راہ کی حکایت کی جاتی ہے-

رہے فتاوے اور نوازل تو یہ بہت مختلف ہوتے ہیں اور ان میں اکثر اجتہاد دیکھا جاتا ہے اگرچہ مؤلف سمجھتا ہے کہ وہ مطلق اجتہاد کا اہل نہیں ہے لیکن جب فتویٰ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہی کے لئے حاضری کو یاد کرتا ہے-

اور اسی لئے کتب نوازل میں ایسے فقہی ذخیرے ہیں جو کسی خاص فقہی مذہب کی تصنیفات سے بہت مختلف ہیں -اور یہ ایک ایسی بات ہے جس پر طالب علم کو آگاہ رہنا چاہیئے - اور اسی سے اس شخص کی کھلی ہوئی تردید ہوتی ہے جو کہتا ہے اجتہاد کے دروازے بند ہیں- اور اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء امت رحمۃ اللہ علیہم لوگوں کی مشکلات اور صورتحال میں ان کے ساتھ رہتے تھے، کیونکہ فتاوے اور نوازل پیش آئیند قضیئے پر توجہ دیتے ہیں- لہٰذا جب کوئی واقعہ پیش آتا یا مشکل سامنے آتی تو عالم غور وخوض کرتا اور اجتہاد کرتا اور بصیرت سے کام لیتے ہوئے بسااوقات اپنے مذہب کی مخالفت کر جاتا تھا-

اس سلسلے میں امام بہوتی حنبلی رحمہ اللہ علیہ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ان سے ایک استفتاء کیا گیا تو حنبلی مذہب کے خلاف فتویٰ دیا- اس پر کسی نے عتاب کرتے ہوئے انہیں لکھا کہ "آپ نے یہ فتویٰ دیا ہے" جبکہ آپ کی کتاب "کشاف القناع" میں ایسے ایسے ہے لہٰذا فتویٰ مذہب کے

موافق نہیں ہے- اس پر امام بہوتی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سخت جواب دیا اور فرمایا کہ: کو لہو کے بیل سے کہدو کہ میں کتاب تالیف کرتے وقت اپنے مذہب کی روش پر چلا، اور فتویٰ دیتے وقت اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا-

ایسے ہی جب علماء رحمہم اللہ - فیصلہ کرتے تھے تو کبھی کبھی مروجہ مذہب کا التزام نہیں کرتے تھے- اس لئے کہ قضاء تالیف و تصنیف سے الگ چیز ہے- لہٰذا قاضی اور مفتی اپنے مسلک کے خلاف بھی بغیر کسی تعصب وتردد کے اپنے نزدیک راجح مسائل کو لیا کرتے تھے- کیونکہ سبھی ایک چشمے سے سیراب ہوتے تھے، اور یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر و بیشتر اپنے مختار مذہب کو اس جیسے الفاظ سے پیش کرتے تھے: "یہ احوط ہے"، یا "یہ اَحسن ہے" اور یہ "مناسب ہے"، "یہ مناسب نہیں" یا" اسے ہم مکروہ سمجھتے ہیں" یا "یہ مجھے پسند نہیں" وغیرہ- کیونکہ ان کے یہاں نہ کوئی تنگی تھی، نہ تہمت و افتراء اور نہ ایسی رائے پر کوئی روک اور پابندی تھی جس کا کسی نص شرعی پر دارومدار ہو- بلکہ ان کے نزدیک وسعت افق اور سہولت و آسانی پہ نظر تھی-

صحابہ کرام اور تابعین رضوان اللہ علیہم اور ان کے بعد کچھ لوگ (نماز میں) بسم اللہ پڑھتے تھے اور کچھ نہیں پڑھتے تھے اور کچھ لوگ اسے بہ آواز پڑھتے تھے اور کچھ لوگ نیچی آواز سے، کچھ لوگ فجر میں قنوت

کرتے تھے، کچھ قنوت نہیں کرتے تھے- کچھ لوگ نکسیر وقے اور پچھنا لگوانے سے وضوء کرتے تھے اور کچھ نہیں کرتے تھے- کچھ لوگ اونٹ کا گوشت کھانے اور آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرتے تھے اور کچھ نہیں کرتے تھے- لیکن ان سب باتوں نے کسی کو دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے نہیں روکا-

اسی طرح امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب، اور امام شافعی اور دیگر ائمہ، مدینہ کے مالکی ائمہ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے حالانکہ وہ سراً یا جہراً بسم اللہ پڑھنے کا التزام نہیں کرتے تھے-

ایک مرتبہ ہارون رشید نے پچھنا لگوا کر نماز پڑھائی، امام ابو یوسف نے ان کے پیچھے نماز پڑھ لی اور نماز نہیں دہرائی حالانکہ ان کے نزدیک پچھنا لگوانا ناقص وضو ہے (اور جب ان سے پوچھا گیا تو جواب دیا کہ میں نے سوچا کہ اپنے بھائی اہل مدینہ کے مسلک پر عمل کرلوں)-

امام احمد رحمہ اللہ علیہ بھی نکسیر اور پچھنا لگوانے سے نقض وضو کے قائل تھے- جب ان سے سوال کیا گیا کہ اگر امام کا خون نکل آئے اور وضو نہ کرے تو کیا آپ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ بھلا میں کیسے امام مالک اور سعید بن المسیب کے پیچھے نماز نہیں پڑھوں گا؟

گویا یہ اشارہ تھا کہ امام مالک اور سعید المسیب دونوں خون نکلنے سے وضو کے قائل نہیں تھے- بلکہ بعض روایات میں تو معاملہ اس سے بھی

زیادہ وسیع ہے۔

ابن قدامہ اپنی کتاب "روضۃ الناظر فی اصول الفقہ" میں فرماتے ہیں کہ جس مفتی سے استفتاء کیا جائے اور اس کے فتوے میں مستفتی کیلئے وسعت نہ ہو تو اسے اس کو اس شخص کے سپرد کر دینا چاہیئے جس کے پاس وسعت ہو۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ حسین بن بشار نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ سے طلاق کا کوئی مسئلہ دریافت کیا تو فرمایا کہ اگر ایسا کرے گا تو حانث ہو گا۔ حسین بن بشار نے کہا کہ اگر مجھے کسی نے یہ فتویٰ دے دیا کہ حانث نہیں ہو گا تو؟ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ تم (مقام رصافہ میں) مدنیوں کی مجلس جانتے ہو؟ اس نے کہا کہ اگر انہوں نے مجھے فتویٰ دے دیا تو جائز ہو جائے گا؟ فرمایا کہ ہاں!

اور جیسا کہ ابن قدامہ فرماتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک مفتی کے لئے جائز ہے کہ اپنے مسلک کے مخالف کی طرف بھی رہنمائی کر دے۔ گویا ان کا خیال یہ ہے کہ یہ اجتہادی مسائل ہیں۔ اور مفتی کے پاس زیادہ سے زیادہ اپنی ایک رائے ہے لہٰذا وہ اگر منصف ہو تو دوسرے کی طرف رہنمائی کر کے اپنی رائے کو الزام دیتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کے مخالف کے ہاں اس سے بہتر یا مناسب رائے ہو۔

"العواصم من القواصم" کے مؤلف ابو بکر ابن العربی، بغداد کے شافعیہ کے امام ابو بکر محمد بن احمد بن حسین شاشی کے بارے میں جو اپنے زہد و تقویٰ کے سبب جنید کہے جاتے تھے، بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ان کو ایک مجلس مناظرہ میں امام ابو حنیفہ کے مذہب کی حمایت کرتے سنا وہ فرمارہے تھے کہ لغت میں "لا تقرَب کذا" (راء کے فتحہ کے ساتھ) بولا جائے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اس کام میں ملوث نہ ہو اور راء کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک نہ جاؤ۔

میں (ابن العربی) نے کہا کہ یہ صحت علم اور وسعت افق کی دلیل ہے، کیونکہ عالم مذہبی تعصب سے بلند ہوئے بغیر اور سچائی اور خیر جہاں کہیں بھی ہو اس کی طرف مائل ہوئے بغیر پختہ نہیں ہو سکتا۔ اور جس کا مقصد حق ہوتا ہے وہ اسے تلاش کرتا ہے اور اس کے لئے دلیلیں پیش کرتا ہے اور بہر صورت وہ حق کے ساتھ رہتا ہے۔ رہا مسلک و مذہب اور کسی خاص طریقہ کے اصول و قواعد کے لئے تعصب اور اس کے لئے واہیات دلیلیں پیش کرنا تو یہ طبیعت کی رذالت، علم کے فساد اور باطل سے انسیت کی دلیل ہے۔

اور یہیں سے جیسا کہ ابن العربی نے محمد بن حسین شاشی کے بارے میں اہل علم کے اقوال میں نظر اور وسعت افق اور تعصب سے دوری کی کیفیت کا ذکر کیا ہے، ابن العربی کہتے ہیں کہ عقلمند عالم کی صفت جسے اللہ

تعالیٰ نے دینی بصیرت اور علم کی دولت سے نوازا ہو یہ ہے کہ جدال (بے سود مناظرہ اور کٹھ حجتی) اور لڑائی نہ کرے اور علم سے اسی پر غالب ہونے کی کوشش کرے جو علم شافی سے مغلوب کئے جانے کے قابل ہو لیکن اس کے لئے کبھی کبھی بے ساختہ مناظرے کی ضرورت آجاتی ہے، کیونکہ دانشور عالم کی صفت یہ ہے کہ وہ نفس پرستوں کے ساتھ بیٹھک نہیں لگاتا اور نہ ان سے مناظرہ کرتا ہے، لیکن علم و فقہ اور دیگر تمام احکام میں ایسا نہیں ہے۔

اور ایسے ہی جدل و مناظرہ سے دور رہنا چاہیئے جس سے روکا گیا ہے اور جس کے برے انجام کا خوف ہے، جس سے ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا ہے، اور جس سے مسلم علماء وائمہ نے بھی ڈرایا ہے[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سچا ہونے کے باوجود بحث و تکرار نہ کرتا ہو اللہ اس کے لئے وسط جنت میں ایک مکان بنائے گا۔

اور مسلم بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ تم بحث و تکرار سے پرہیز کرو اس لئے کہ یہ عالم کی جہالت کا وقت ہوتا ہے، اور اس سے

---

[1] بسط و تفصیل کے لئے علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ علیہ کے رسالے "شرح حدیث ما ذئبان جائعان۔ اور فضل علم السلف علی علم الخلف" مترجم کی تحقیق کے ساتھ مراجعہ کئے جائیں۔

شیطان اس کی لغزش ڈھونڈتا ہے-

اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم نے کسی فقیہ کامل کو بحث و تکرار کرتے نہیں دیکھا-

اور انہوں نے ہی فرمایا کہ مومن دلجوئی کرتا ہے، بکواس اور لڑائی نہیں کرتا- وہ اللہ کی حکمت پھیلاتا ہے اگر وہ حکمت قبول کرلی جائے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر ٹھکرادی جائے تو اللہ کی حمد کرتا ہے-

امام محمد حسین فرماتے ہیں کہ حکماء کا خیال ہے کہ زیادہ تر تکرار بھائیوں کے دلوں کو بدل دیتی ہے اور الفت کے بعد جدائی اور انسیت کے بعد وحشت کا وارث بنادیتی ہے-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں وارد ہے کہ کوئی قدم ہدایت پر رہنے کے بعد بے راہ نہیں ہوا مگر اسے جدال دے دیا گیا- اس کا ذکر آجری نے اپنی کتاب "اخلاق العلماء" میں کیا ہے-

اور بہت سے علماء سے منقول ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں کوئی حدیث یا اجماع نہ ہو اور اس میں اجتہاد کی گنجائش ہو تو اس میں اجتہاد کر کے عمل کرنے یا تقلید کرنے پر نکیر نہیں کی جائے گی-

اور اس سلسلے میں علماء کے یہ چند اقوال ہیں:

(۱) سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ جب تم کسی کو ایسا عمل کرتے دیکھو جو

مختلف فیہ ہو اور تمہاری رائے اس کے علاوہ ہو تو اسے مت روکو۔

اور انہیں کا ایک قول خطیب بغدادی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہو میں اپنے بھائیوں کو اسے قبول کرنے سے نہیں روکتا۔

(۲) ابن مفلح رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الآداب الشرعیۃ" میں امام احمد سے "جن فروعیات میں اختلاف جائز ہو اس میں کسی کے اجتہاد پر نکیر نہیں" کے عنوان کے تحت نقل کرتے ہیں کہ: اور مروزی کی روایت میں ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا: کسی فقیہ کے لئے زیبا نہیں کہ لوگوں کو کسی ایک مذہب کے خلاف للکارے اور ان پر تشدد کرے۔

(۳) امام نووی رحمہ اللہ علیہ مسلم شریف کی شرح میں لکھتے ہیں: "مفتی اور قاضی کو اپنے مخالف پر اعتراض نہیں کرنا چاہیئے جب تک اس نے کسی نص یا اجماع یا قیاس جلی کی مخالفت نہ کی ہو۔

(۴) ابن عبدالبر رحمہ اللہ علیہ نے جامع بیان العلم و فضلہ [1] میں اپنی سند سے عبدالعزیز بن محمد سے اسامہ بن زید سے حکایت کیا ہے کہ

---

[1] علامہ ابن عبدالبر نے "جامع بیان العلم" (۲/۸۰) میں "مایلزم الناظر فی اختلاف العلماء" کے باب میں ذیل کے دونوں قول قاسم بن محمد اور یحییٰ بن سعید سے نقل کئے ہیں۔ اور اختلاف علماء بلکہ اختلاف صحابہ کی صورت میں بھی دو مذہب نقل کئے ہیں۔ پہلا مذہب یہ ہے کہ اختلاف صحابہ کو من و عن تسلیم کر لیا جائے اور اس میں کسی فکر و نظر کی حاجت محسوس نہ کی جائے۔ دوسرا

انہوں نے کہا: میں نے قاسم بن محمد سے سری نماز میں قراءۃ خلف الإمام کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ اگر پڑھو تو تمہارے لئے اصحاب رسول میں سے کچھ لوگوں میں اسوہ ہے، اور نہ پڑھو تو بھی اصحاب رسول میں سے کچھ لوگوں میں تمہارے لئے اسوہ ہے [1]

(۵) اور حسن بن علی حلوانی [2] نے فرمایا کہ مجھ سے عبداللہ بن صالح نے لیث بن سعد سے یحییٰ بن سعید کا قول نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ اہل فتویٰ برابر فتویٰ دیتے آئے ہیں تو کوئی ناجائز قرار دیتا ہے اور کوئی جائز- اور جو ناجائز قرار دیتا ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ جس نے جائز قرار دیا ہے وہ جائز قرار دینے کی وجہ سے ہلاک ہو گیا، اور جو جائز قرار دیتا ہے وہ

مذہب یہ ہے کہ اختلاف صحابہ کی بھی قرآن و سنت کی روشنی میں جانچ کی جائے اور اس کے خطاو صواب کا دارو مدار قرآن و حدیث کو بنایا جائے - پہلے مذہب کا دارو مدار حدیث "اصحابی کالنجوم بأیہم اقتدیتم" ہے- امام ابن عبدالبر نے اس مذہب اور اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس ضعیف مذہب کے ضمن میں مندرجہ ذیل دونوں قول نقل کئے ہیں -(دیکھو جامع بیان العلم و فضلہ ۲/۷۸-۸۵، ۹۰-۹۱)

[1] قاسم بن محمد کا یہ قول ضعیف سند سے مروی ہے اس کے راوی اسامہ بن زید ضعیف ہیں اور عبدالعزیز بن محمد الد راوردی اگرچہ ثقہ ہیں مگر غیر وں کی کتاب سے حدیث بیان کرتے وقت غلطی کرتے ہیں (تقریب التہذیب و خلاصہ) نیز یہ کہ قاسم بن محمد سے قراءۃ خلف الامام کی نفی نہیں بلکہ ثبوت ہے- مزید یہ کہ بعض اصحاب رسول سے قراءۃ خلف الامام کی نفی بھی محل نظر ہے کیونکہ اس سلسلہ کے جملہ اقوال و آثار ضعیف سندوں سے مروی ہیں-

[2] کتاب میں "حسین بن علی حلوانی" طبع ہوا ہے، درست "حسن" ہے-

یہ نہیں سوچتا ہے کہ ناجائز قرار دینے والا ناجائز قرار دینے کے سبب ہلاک ہو گیا۔

اور اگر تم اس سے سخت مسلک چاہو تو سنو! [1] امام ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اسمٰعیل بن اسحاق القاضی نے کتاب "المبسوط" میں ابو ثابت سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابن القاسم کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے امام مالک اور امام اللیث بن سعد کو اختلاف صحابہ کے بارے میں کہتے ہوئے سنا' وہ دونوں فرما رہے تھے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس میں وسعت ہے۔ حالانکہ ایسی بات نہیں، بلکہ وہ خطا و صواب ہے [2]

(۶) اسمٰعیل بن اسحاق القاضی کہتے ہیں کہ صحابہ کے اختلاف میں وسعت اجتہادِ رائے کی وسعت ہے۔ رہی یہ وسعت کہ انسان ان میں سے کسی ایک کے قول کو بغیر اس کے کہ اس کے پاس اس کے بارے میں حق ہو اپنائے تو ایسا نہیں ہے۔

البتہ ان کا اختلاف دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے اجتہاد سے کام لیا تو مختلف الرائی ہو گئے۔

---

[1] یہی وہ دوسرا مذہب ہے جس کی طرف گذشتہ حاشیہ میں اشارہ ہو چکا ہے۔

[2] اسمٰعیل بن اسحاق القاضی کی کتاب المبسوط سے نقل کردہ بات ابن عبدالبر نے "جامع بیان العلم" (۸۲/۲) میں نقل کی ہے۔ نیز لیث بن سعد اور امام مالک کا قول اپنی سند میں اصبغ سے ابن القاسم سے نقل کیا ہے۔ (۸۲/۲)

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسماعیل القاضی کا یہ کلام بہت خوب ہے۔

مؤلف کہتے ہیں کہ ہاں! وہ بہت اچھا ہے۔ یہاں تک کہ اسی بات کی بنیاد پر جس کے بارے میں مالک اور لیث بن سعد نے فرمایا کہ وہ خطأ و صواب ہے اجتہاد اور رائے کا میدان کھلا ہوا ہے۔ اور اسی لئے فرمایا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف میں وسعت اجتہاد رائے کی وسعت ہے۔ یعنی اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا اختلاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس مسئلے میں اختلاف جائز ہے، جو شخص اجتہاد کا اہل ہو اس مسئلے میں اجتہاد کرے خواہ وہ جس فیصلے تک پہنچتا ہو اس پر اس معنی میں کوئی نکیر نہیں کہ اس کی رائے کی برائی بیان کی جائے یا اسے بیوقوف قرار دیا جائے۔ اور اسی وجہ سے تو انہوں نے کہہ دیا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف میں وسعت اجتہاد رائے میں وسعت ہے۔ رہا یہ کہ یہ وسعت ہو کہ کوئی شخص ان میں سے کسی کا قول اپنائے اور سچ مچ اس کے پاس حق نہ ہو تو ایسا نہیں البتہ ان کا اختلاف دلالت کرتا ہے انہوں نے اجتہاد کیا تبھی اختلاف ہوا، اور اسی سبب سے ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اسمٰعیل القاضی کے اس کلام کو مستحسن قرار دیا ہے۔

خاتمہ (کچھ شاذ مواقف و آداب):

اس مجلس کے خاتمہ پر کچھ شاذ مواقف اور چند ایسے آداب پر متنبہ

کرتا چلوں جسے ہم گزشتہ بحث سے اخذ کر سکتے ہیں۔

رہے شاذ مواقف جسے طالب علم کبھی یا تو لوگوں کے حالات یا تالیفات میں پاتا ہے اور جن کا شاذ اور خلاف قاعدہ ہونا بدیہی اور ظاہر ہے ہم اس کے بارے میں کہیں گے کہ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کتب بینی کرتا ہے اور مؤلفات میں کرید کرتا ہے کچھ شاذ موقف کی ایسی صورتیں اور نقول و اقوال پاتا ہے جو منصف کے صاف ذہن کو مکدر کر دیتے ہیں، لہٰذا ان کے بارے میں نصیحت و تنبیہ کرنا ضروری ہے۔ اور ہم انہیں دو پہلو سے دیکھ سکتے ہیں، ایک افراط کا پہلو، دوسرا تفریط کا پہلو۔

افراط کے مواقف:

اور یہ مندرجہ ذیل باتوں میں ظاہر ہوتے ہیں:

(الف) معتبر مذاہب کے کچھ پیروؤں کا بدترین تعصب گویا کہ حق اسی مذہب میں محدود ہے۔ اور بقیہ دیگر مذاہب باطل ہیں۔ اور اسی سے باہم آویزش اور کینے پیدا ہوتے ہیں۔

(ب) اس تعصب نے اپنے امام کے تفوق اور اس کے مذہب کی تائید کے لئے حدیث سازی پر آمادہ کیا، اور دوسری طرف ایسی عبارتیں بھی بنائی گئیں جس سے دوسروں کے مسلک و مذہب اور ان کے علماء کی

تنقیص ہو، اور ظاہر ہے کہ یہ اندھی جہالت اور بدترین تعصب ہے جسے مسلمانوں کے عالم ائمہ کی طرف منسوب کرنا اور ائمہ مہدیین امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم و اُرضاہم پر چسپاں کرنا تو درکنار کوئی اپنے لئے بھی پسند نہیں کر سکتا[1]

تفریط کے مواقف:

تفریط کے مواقف بھی مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ علمی کتابوں بالخصوص تقابلی فقہ کی کتابوں میں جو اختلاف مذکور ہیں وہ مذموم اختلاف ہیں جو فرقہ بندی، گروہ بندی، اور پارٹی بازی کی دعوت دیتے ہیں- یہ لوگ قرآنی آیات کے ان عموم سے استشہاد کرتے ہیں جو فرقہ بندی اور اختلاف دور کرنے

---

[1] یہاں ایک وضع کردہ حدیث بطور مثال نقل کر دینا ہم مناسب سمجھتے ہیں- موضوعات کی تمام ترکتابوں میں تقریباً منقول ہے: یکون فی اُمتی رجل یقال لہ محمد بن اُدریس اَضر علی اُمتی من اِبلیس، و یکون فی اُمتی رجل یقال لہ اُبو حنیفہ، ھو سراج اُمتی - یعنی میری امت میں محمد بن ادریس (امام شافعی کا نام ہے) نامی ایک آدمی ہوگا جو میری امت کے لئے ابلیس سے زیادہ مضر ہوگا- اور میری امت میں ابو حنیفہ نامی ایک آدمی ہوگا جو میری امت کا چراغ ہوگا-

محدثین باجماع واتفاق اس حدیث کے وضع کے قائل ہیں-

موضوعات کی کتابوں میں اس جیسی بیشمار من گھڑت روایتیں خلفاء راشدین، صحابہ و تابعین اور ائمہ مہدیین کے پہلو ائمہ ضلالت کی شان میں موجود ہیں- اللہ قلب و نظر عطا کرے- (ابو القاسم)

کی دعوت دیتے ہیں- لیکن یہ مسلک غلط اور کوتاہ نظری ہے- کیونکہ یہ بات پچھلے صفحات میں معلوم ہو چکی ہے کہ کچھ اختلاف جائز ہوتا ہے، لیکن ان لوگوں کے اس خیال کا انجام سلف امت صحابہ و تابعین اور ائمہ مہدیین اور ان کے متبعین کو ملعون کرتا ہے-

(ب) اور تفریط میں مبالغہ کی ایک صورت اس جاہل مقلد میں پائی جاتی ہے جو کتاب و سنت کو چھوڑ کر ائمہ کے اقوال کو لیتا اور مانتا ہے، اور انسانی اقوال کو کتاب و سنت پر مقدم رکھتا ہے- اور یہیں سے تم دیکھتے ہو کہ وہ کچھ ایسی نصوص شرعیہ بھی پیش کرتا ہے جس سے اس کے قول کی تائید ہو، اور وہ اپنے مخالف کو ان نصوص سے روگرداں قرار دیتا ہے- لیکن اگر وہ تأمل کے بعد انصاف سے کام لے تو یہ پائے گا کہ زیادہ تر اختلاف نص میں نہیں، بلکہ نص کے معنی و مفہوم میں ہوا کرتا ہے- اور جب صورت حال یہ ہے تو اختلاف لوگوں کی فہم میں ہوتا ہے اور اس میں اختلاف کی وسعت ہے-

(ج) ایسے ہی تفریط کے مواقف میں اہل مذاہب پر نکیر میں غلو بھی ہے جو کسی نکیر کرنے والے کو یہاں تک پہنچا دیتا ہے کہ وہ متقدمین کی ایسی عبارتوں میں تفتیش و کرید کرنے لگتا ہے جس سے بعض ائمہ کی تنقیص سمجھا جاتا ہے، اور یہ شخص ایسی ہی عبارتوں کو چھانٹ چھانٹ کر الگ کرتا ہے اور انہیں پھیلاتا ہے اور بغض و عداوت کی تخم ریزی کرتا

ہے۔

علمی لغزشوں اور فقہی شذوذ کو ڈھونڈنا، اور انہیں یکجا کر کے مجالس اور عوام میں پھیلانا کسی مخصوص مذہب ہی نہیں بلکہ پورے دین پر اعتماد میں بے یقینی پیدا کرتا ہے، اور یہ کام نہایت بدترین اور دشمنانہ ہے جس کے پیچھے کوئی عام وخاص مصلحت نہیں۔

لغزشوں کو ڈھونڈنا اور غلطیوں کو تلاش کرنا بیمار دل اور بدنیت شخص کا کام ہے، اس لئے کہ یہ بات معلوم ہے کہ انبیاء کے سوا جو اللہ کے احکام پہنچانے میں معصوم ہیں اور کوئی انسان معصوم نہیں اور اگر ایسی بات ہوتی تو مخطئ مجتہد کو ثواب نہ ملتا۔

اس بیان کے بعد اب ہم ان مبادئ و آداب کے ذکر سے اپنی بات پوری کر رہے ہیں جن کا اختلاف کے وقت پاس و لحاظ رکھنا چاہیئے۔ اور وہ یہ ہیں:

اخلاص اور ارادۂ حق:

بحث و نظر اور مناظرے کے وقت ضروری ہے کہ مقصد حق اور حق تک رسائی ہونا چاہیئے، اور طالب علم اس کے لئے بالکل خالی الذہن ہو۔ یہ کام بسااوقات دیکھنے میں بڑا آسان اور قابل عمل ہوتا ہے لیکن اس پر عمل کرنا اور کاربند ہونا بڑا دشوار اور مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت سے

لوگ بظاہر داعی حق ہوتے ہیں لیکن وہ اپنی ذات کے داعی ہوتے ہیں اور ان کا مقصد اپنی بڑائی یا اپنے استاذ کی حمایت ہوتی ہے۔

اور شاید اسی میں یہ بھی شامل ہے جو بعض طلباء کو بحث کے دوران شخصی تنقید یا کسی کی ذات سے متعلق عبارات پر مجبور کرتی ہے جس سے وہ دوسرے کو ذلیل کرتا یا بیوقوف قرار دیتا یا اسے بے راہ روی کا الزام دیتا ہے۔ ایسا غلو ذاتی مفاد کے لئے ہوتا ہے، حق کے لئے یقیناً نہیں ہو سکتا۔

مخالفت واختلاف سے حتیٰ الامکان احتراز:

مخالفت و اختلاف سے حتیٰ الامکان پرہیز چند باتوں کے ذریعہ ممکن ہے:

(۱) طلباء کے ساتھ حسن ظن اور اسلامی بھائی چارے کو ہر حیثیت سے بلند رکھ کر۔

(۲) جو کچھ ان سے صادر ہو یا ان کی طرف منسوب ہو اسے حتیٰ الامکان اچھی بات پر محمول کر کے۔

(۳) اگر ان سے کوئی ایسی بات صادر ہو جائے جسے بہتری پر محمول نہ کیا جا سکتا ہو تو ان کی طرف سے معذرت خواہی کی جائے اور انہیں نیک نیتی سے محروم نہ کیا جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ اپنے بھائیوں کے لئے ایسا عذر تلاش کیا جائے جن سے اپنا سینہ صاف اور نفس خوش رہے۔

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ہماری یہ گذارش غلطیوں سے ان کی سلامتی کی دعوت نہیں ہے، اس لئے کہ ہر شخص خطاء کار ہے اور معزز و شریف وہ ہے جو کسی انسان کی بہت سی درستگی میں سے تھوڑی سی لغزش کو معاف کر دیتا ہے۔

اس سلسلے میں تمہارے لئے کافی ہے کہ خود کو بھی خطاکار سمجھو، اور جب تم خود غلطی کرتے ہو اور اپنے لئے استغفار کرتے ہو تو کیا وجہ ہے کہ جب تمہارا بھائی غلطی کر رہا ہو تو اس کیلئے استغفار نہ کرو، اور ویسے ہی کہو جیسے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا: " رب اغفرلی ولأخی، و أدخلنا فی رحمتك و أنت أرحم الراحمین" کہ اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر دے اور تو ارحم الراحمین ہے۔

(۴) خود کو الزام دے کر اور اپنے آپ کو بحث و نظر اور اختلاف کی جگہوں سے روک کر اور دوسرے کو گہری نظر اور طویل غور و فکر کے بغیر غلط قرار دینے سے پرہیز کر کے۔

(۵) اپنے بھائیوں کی تنقید یا ان کے خیالات کا کشادہ دلی کے ساتھ استقبال کر کے، اور اسے اپنے ناقد کی طرف سے اپنی مدد سمجھ کر اور یہ باور کر کے اس کا مقصد تمہاری عیب جوئی یا تمہیں زک پہنچانا نہیں ہے۔

(۶) فتنے اور شور و شغب کے مسائل سے پرہیز کر کے۔

چنانچہ آجری نے اپنی کتاب "اخلاق العلماء" میں ذکر کیا ہے کہ جب کسی عالم سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے اور اسے معلوم ہو کہ یہ شور و شغب کا مسئلہ ہے اور مسلمانوں کے درمیان فتنے کا موجب ہو تو اس کو اس سے معذرت کر دینی چاہیئے- اور سائل کو اس سے بہتر اور مفید کی طرف پھیر دینا چاہیئے-

اسی ضمن میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی عالم لوگوں سے، خصوصیت سے کمسن طلباء سے، ایسی بات نہ کرے جس سے فتنہ پیدا ہو- اور اساتذہ اور علماء کو چاہیئے کہ طلباء، اور بالخصوص کمسن طلباء سے بلند ہو کر رہیں- چنانچہ اگر تمہارا شاگرد تم سے کسی عالم کا قول بیان کرے جو تمہارے قول یا تمہارے راجح قول کے مخالف ہو تو تمہارا فرض ہے کہ اپنے شاگرد کے ساتھ نرمی کرو- لہٰذا اگر اس عالم کے لئے نکلنے کی کوئی راہ پاؤ تو یا تو اسے وہ راہ بتا دو، یا اسے مخالفین کے ساتھ بھی حسن ادب کی تربیت دو اور اس میں اس کی عادت پیدا کرو-

علماء نے اسی سبب سے یہ فرمایا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ عالم لوگوں میں ایسی بات نہ بیان کرے جس سے فتنہ پیدا ہو- لہذا اسے اپنے علم کی باریکیوں اور اس کے شذوذات میں سے جو اس کے آس پاس لوگوں کے عقل و شعور میں نہ آئے بحث سے پرہیز کرنا چاہیئے-

(۷) بہترین کلام کے انتخاب، اور جارحانہ کلمات اور عیب جوئی و

طعنہ زنی اور احمقانہ و جاہلانہ تعریض کی زہریلی عبارتوں سے پرہیز اور اسلامی ادب کا التزام کرکے۔

اس بزم میں اس معمولی اثاثے کے سلسلے میں اتنا ہی کہنا ممکن تھا۔ اور اب میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہمیں اور آپ کو اس عمل کی توفیق دے جس سے محبت کرتا اور خوش ہوتا ہے۔ اور درود و سلام نازل ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اور صحابہ پر۔ آمین۔

﴿ وَءَاخِرُ دَعْوَىٰهُمْ أَنِ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴾

من مطبوعات وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد

أدب الخلاف

تأليف
صالح بن عبد الله بن حميد

باللغة الأردية

أشرفت وكالة الشؤون المطبوعات والنشر بالوزارة على إصداره
عام ١٤١٩ هـ